سِلسلہ
مواعظ حسنہ نمبر ۲

فضائلِ توبہ

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

ناشر
کتب خانہ مظہری
گلشن اقبال ۲ پوسٹ بکس ۱۱۱۸۲
کراچی نمبر ۲۶۸۱۱۲

فضائلِ توبہ

حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کا بیان
جو ۹ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ مطابق ۳ اگست ۱۹۸۷ء بروز دوشنبہ
بمقام میدانِ عرفات بوقت گیارہ بجے دن وقوفِ عرفات
کے موقع پر ہوا۔

مُرتّبہ
یکے از خدام حضرت والا

—○—

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا۔

چونکہ آج یہاں ہم سب کو اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت اور رحمت کی درخواست کرنا ہے اور مقصد یہی ہے کہ ہم سب معاف کر دیئے جائیں۔ اس لیے آج اس آیت کا انتخاب کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی معافی اور مغفرت اور رحمت عطا فرمانے کا سرکاری مضمون نازل فرمایا ہے اور اپنے بندوں کو ایک دُعا سکھائی ہے۔ جب انسان سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو چار گواہ تیار ہوتے ہیں اور چاروں گواہ قرآن سے

ثابت ہیں۔

نمبرا: زمین

جس زمین پر انسان سے گناہ سرزد ہوتا ہے وہ زمین گواہ بن جاتی ہے دلیل کیا ہے
یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا جس دن کہ زمین اپنی خبریں بیان کرے گی۔
سُورۂ زلزال کی اس آیت کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے یہ بیان فرمائی کہ زمین کی پُشت پر جو اعمال لوگ کرتے ہیں یہ زمین ان کی شہادت دے گی۔
(تفسیر مظہری ج۱۰، ص۳۲۲)

آجکل ٹیپ ریکارڈ سے اس کا معاملہ بھی صاف ہوگیا کیونکہ ٹیپ ریکارڈ میں جو چیزیں لوہا وغیرہ ہیں وہ زمین کے اندر ہی کی ہیں۔ لہٰذا زمین میں سب ٹیپ ہو جانا قرین قیاس ہے۔
اور دُوسرا گواہ کیا ہے:
اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ جن اعضاء سے گناہ ہوئے ہیں وہ اعضاء بھی قیامت کے دن گواہی دیں گے۔ مولانا رُومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

چشم گوید کردہ ام غمزہ حرام

آنکھیں گواہی دیں گی کہ اے خدا ان آنکھوں سے اس نے غلط کام کیا تھا، بد نگاہی کی تھی۔

گوش گوید چیدہ ام سؤ الکلام

کان کہیں گے ہم نے غیبتیں سُنیں، گانے سُنے۔

لب بگوید من چنیں بوسیدہ ام

ہونٹ کہیں گے ہم نے حرام بوسے لئے اور اس قسم کے گناہ کئے۔

دست گوید من چنیں دزدیدہ ام

ہاتھ کہیں گے کہ ہم نے اس طرح چوری کی۔

اسی طرح اگر پاؤں سینما دیکھنے کے لئے گئے تو پاؤں بھی گواہی دیں گے۔ ایسے ہی نیک اعمال کے لئے بھی گواہ بنتے ہیں۔

عرفات و منیٰ مُزدلفہ میں جو کام ہو رہے ہیں اس کے بھی ہمارے گواہ تیار ہو رہے ہیں۔

اور تیسرا گواہ فرشتے ہیں :

كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ

چوتھا گواہ نامۂ اعمال :

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ

لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ چار گواہ ہمارے اوپر قیامت کے دن پیش ہو جائیں گے تو کیا کرنا چاہیئے وہ لوگ جو اپنی جانوں پر ظلم کر چکے اور اپنے خلاف گواہ تیار کر چکے، کیا ان کے لئے کوئی صُورت ایسی ہے کہ یہ گواہ قیامت کے دن نہ پیش ہوں اور گواہی ختم ہو جائے۔ لہٰذا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترکیب بھی اُمّت کے لیے ارشاد فرمادی یعنی توبہ جس کے متعلق حدیث شریف نقل کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن توبہ اپنی شرائط کے ساتھ ہو جس کی تین شرطیں ہیں اللہ کے حقوق میں اور ایک شرط ہے بندوں کے حقوق میں، اس طرح کُل چار شرطیں ہُوئیں۔ (شرح مُسلم ج ۲ ص ۳۴۶)

اللہ کے حقوق میں پہلی شرط یہ ہے کہ سب سے پہلے تو اس گناہ سے الگ ہو جائے۔ ان یقلع عن المعصیۃ یہ نہیں کہ حالتِ گناہ میں ہے اور توبہ توبہ کر رہا ہے جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ لاحول ولا قوۃ کیا بے حیائی ہے کیا عُریانی کا زمانہ آگیا ہے۔ اور خواتین کو دیکھتے بھی جا رہے ہیں اور لاحول بھی پڑھتے جا رہے ہیں۔ ایسا لاحول ہمارے نفس پر خود لاحول پڑھتا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ گناہ چھوڑ دے۔

دُوسری شرط یہ ہے کہ ان یندم علیھا اس گناہ پر دل میں ندامت پیدا ہو جائے۔ ندامت کی تعریف یہ ہے کہ دل میں دُکھن اور غم پیدا ہو جائے کہ ہائے میں نے کیسے یہ نالائقی کرلی، ایسے محسن اور پالنے والے مالک کے احسان کا میں نے کیوں حق ادا نہیں کیا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دوزخ نہ بھی ہوتی تو بھی بندوں کی شرافت کے خلاف تھا کہ ایسے احسان کرنے والے مالک کی انسان نافرمانی کرے۔ اللہ تعالیٰ کا پیار اور ان کے احسانات ہمارے اُوپر اتنے ہیں کہ شرافت طبع کا تقاضا یہ تھا کہ ہم ان کو ناراض نہ کرتے۔ سُبحان اللہ یہ محبت کا معاملہ ہے جیسے کوئی کریم باپ بیٹوں کو ڈنڈا تو نہیں مارتا لیکن اولاد پر اس کے انتہائی احسانات ہیں تو شریف بیٹا یہی کہتا ہے کہ ابا کو ناراض نہ کرو کہ ہم پر ان کے احسانات بہت ہیں۔

توبہ کی تیسری شرط یہ ہے کہ ان یعزم عزمًا جازمًا ان لا یعود الیھا ابدًا۔ پختہ عزم کرلے کہ یا اللہ اب یہ گناہ کبھی نہیں کروں گا۔ دل میں ٹھان لے کہ چاہے جان جاتی رہے لیکن اب کبھی اس گناہ کے پاس نہ پھٹکوں گا۔ توبہ کرتے وقت پھر گناہ نہ کرنے کا ارادہ پکا ہو۔ اس کے بعد پھر اگر کبھی ٹوٹ جائے تو شکستِ عزم خلافِ عزم نہیں ہے۔ شکستِ عزم اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ عزم ہی نہیں کیا تھا۔ شکستِ ارادہ خلافِ ارادہ نہیں ہے۔ اس وقت ارادہ ہونا چاہیئے بعد میں اگر ٹوٹ جائے تو وہ ارادہ کے خلاف نہیں، وہ توبہ قبول ہو گئی چاہے لاکھ دفعہ ٹوٹ جائے۔

یہ مضمون میں نے ڈھاکہ میں بیان کیا تھا۔ بیان کے بعد ایک صاحب سے کہا کہ سَر کے لئے تیل کی ایک شیشی لے آنا لیکن بھُولنا مت تو انہوں نے کہا کہ بھُولنے کا ارادہ نہیں ہے۔ مجھے بہت خوشی ہُوئی کہ یہ شخص تقریر سمجھ گیا۔ یعنی گناہ نہ کرنے کا جو آج ارادہ کیا ہے کہ اب ہم کبھی نہیں کریں گے اس ارادہ کو توڑنے کا اس وقت ارادہ نہ ہو، بس توبہ کی قبولیت کے لئے اتنا کافی ہے چاہے شیطان وسوسہ ڈالے کہ تم تو بار بار توبہ توڑتے رہتے ہو۔ تو

اس وسوسۂ شکستِ توبہ سے کوئی حرج نہیں، چاہیے اپنے ضعفِ بشریت اور زندگی کے بارہا تجربوں سے آپ کو بھی یقین ہو کہ ہم اس عزمِ توبہ پر قائم نہ رہ سکیں گے لیکن بوقتِ توبہ اس ارادہ کو توڑنے کا بس ارادہ نہ ہو تو یہ احساس ضعف ہوگا۔ ارادۂ شکست نہیں ہوگا۔ بندہ کو اپنی کمزوری کا احساس ہوتا ہے کہ ہزاروں بار میری نالائقی سے میرے عزائم ٹوٹ چکے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ سے یہی کہہ دے کہ اے اللہ میں نے جو یہ توبہ کا ارادہ کیا ہے اپنی طاقت کے بھروسہ پر نہیں بلکہ آپ کے بھروسہ پر میں یہ ارادہ کر رہا ہوں ورنہ

یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

وہ کہتا ہے کہ اے اللہ یہ دست و بازو یہ میرے ارادے بارہا میرے آزمائے ہوئے ہیں۔ ہم تو کمزور ہیں اور آپ نے ہم کو ضعیف فرمایا ہے۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا کہ انسان ضعیف ہے پس جب انسان کا کُل ضعیف ہے تو اس کا جُز بھی ضعیف ہوگا، اور ارادہ تو اس کا جُز ہے۔ لہٰذا ضعیف چیز کا ٹوٹ جانا عجب نہیں۔ اس لیے حدیث میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص بار بار توبہ کرتا ہے دل سے ارادہ کرتا ہے کہ آئندہ ہرگز یہ گناہ نہ کروں گا، لیکن پھر ٹوٹ جاتا ہے تو وہ اصرار کرنے والوں میں نہیں ہے۔ یعنی ضدی نہیں ہے۔ وہ بندہ ضدی نہیں کہلائے گا۔

مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَاِنْ عَادَ فِی الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً (مشکوٰۃ ص۲۰۴)

چنانچہ علامہ آلوسی السید محمود بغدادیؒ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک اصرار شرعی ہے اور ایک اصرار لغوی ہے۔

اصرار لغوی یہ ہے کہ مثلاً ایک گناہ دس دفعہ ہوگیا تو یہ شخص لغتہً مُصِر ہے۔

لیکن اصرار شرعی کی تعریف یہ ہے: اَلْاِقَامَةُ عَلَى الْقَبِيْحِ بِدُوْنِ الْاِسْتِغْفَارِ وَالتَّوْبَةِ (روح المعانی ج۴ ص۶۱)۔ کسی برائی پر قائم رہنا بغیر استغفار اور توبہ کے اور اگر قائم نہیں رہتا توبہ و استغفار کر لیتا ہے، تو اگر ہزار دفعہ بھی ہو جائے تو یہ شخص معصیت پر اصرار

کرنے والوں میں شمار نہیں ہوگا۔ ارے ہم گناہ کرتے کرتے تھک سکتے ہیں اللہ تعالیٰ معاف کرتے کرتے نہیں تھک سکتے۔

حضرت تھانویؒ کے پُرانے خلیفہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ کراچی کے ایک کروڑ یعنی سوا لاکھ انسانوں کا پیشاب پاخانہ سمندر میں جاتا ہے، ایک موج آتی ہے اور سب پیشاب پاخانہ کو پاک کر دیتی ہے۔ سمندر ایک مخلوق ہے اور اس کی ایک موج میں یہ طاقت اللہ نے دی ہے کہ لاکھوں انسانوں کے پیشاب پاخانہ کو پاک کر دیتی ہے اور وہاں کوئی امام نہا کر نماز پڑھا دے تو اس کی نماز صحیح ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے غیر محدود سمندر کی ایک موج ہمارے گناہوں کو کیسے پاک نہ کردے گی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ارے ہم تو بڑے گنہگار ہیں ہماری دُعا اللہ کیسے قبول کرے گا، باربار ہماری توبہ ٹوٹ جاتی ہے، اللہ ہم کو کیسے بخشے گا۔ بظاہر تو یہ بڑی تواضع معلوم ہوتی ہے کہ بھائی اس کو تو بڑا اپنی نالائقی کا احساس ہے۔ لیکن حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صُورتاً یہ شخص متواضع ہے مگر حقیقتاً انتہائی متکبر ہے کہ اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے عظیم سمجھتا ہے اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ رحمت کی عظمت اور وُسعتِ شان سے زیادہ عظمت دے رہا ہے۔ اور اس پر حضرت نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بیل پر ایک مچھر بیٹھ گیا جب اُڑنے لگا تو کہا کہ بیل رے بیل مجھے معاف کر دینا کہ میں تیرے سینگ پر بے اجازت بیٹھ گیا تھا اس بیل نے کہا کہ مجھے نہ تیرے بیٹھنے کی خبر نہ تیرے جانے کی خبر۔ اگر تو نہ بولتا تو مجھے پتہ بھی نہ چلتا کہ تو کب بیٹھا اور کب گیا۔ تو فرمایا کہ ہمارے معاصی کے سمندر کا سمندر حق تعالیٰ کی رحمت کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

اگر شیطان بھی توبہ کر لیتا تو اس کا بھی کام بن جاتا، لیکن حکیم الامت فرماتے ہیں کہ

شیطان میں تین عین تھے، ایک عین نہ تھا۔ عابد کا عین اس میں تھا اور عارف کا عین بھی تھا اور عالم کا عین بھی تھا۔ عالم اتنا بڑا کہ تمام نبیوں کی شریعتوں کے جزئیات اس کو یاد ہیں، کلیات کے ساتھ ساتھ۔ اور عابد اتنا بڑا کہ کوئی زمین اس کے سجدہ سے خالی نہیں رہی۔ اور عارف اتنا کہ اُخْرُجْ فَإِنَّكَ رَجِيْمٌ کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے عین غضب کی حالت میں دُعا مانگ رہا ہے، کیونکہ جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ تاثر اور انفعال سے پاک ہیں مغلوب الغضب نہیں ہوتے، اس وقت بھی میری دُعا قبول کرنے پر قادر ہیں۔ اتنی معرفت تھی۔ لیکن بس عاشق کا عین نہیں تھا اس کے پاس، اگر عاشق کا عین ہوتا تو پھر یہ مردود نہ ہوتا، اگر یہ عاشق ہوتا تو مقابلہ نہ کرتا، بلکہ محبوبِ حقیقی کی ناراضگی سے بے چین ہو کر سجدہ میں گر پڑتا، اور وہی کہتا جو آدم علیہ السلام نے کہا تھا یعنی رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا۔ اگر یہ ایسا کر لیتا تو اس کی بھی معافی ہو جاتی۔

عُلماء نے لکھا ہے کہ جس کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو جائے وہ مردُود نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ
بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ

جو تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہو گا تو مرتدین اور باغین کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ ایک قوم پیدا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے۔ تو اہلِ محبت کو مرتدین کے مقابلہ میں بیان کیا گیا کہ میں ایسی قوم پیدا کروں گا۔ معلوم ہُوا کہ اہلِ محبت باوفا ہوتے ہیں اس لئے وہ مردُود نہیں ہو سکتے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

میں ہوں اور حشر تک اس دَر کی جبیں سائی ہے
سرِ زاہد نہیں یہ سر سرِ سودائی ہے

یہ عاشقوں کا سر ہے۔ یہ ملائے خشک اور زاہدوں کا سر نہیں ہے کہ ان کے در کو چھوڑ دے۔ عاشق کبھی مرتد نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس آیت سے علماء نے لکھا ہے کہ اہلِ محبّت کا خاتمہ بھی اچھا ہوتا ہے کیونکہ اگر اہلِ محبت مرتد ہوجاتے اور خاتمہ خراب ہوتا تو اللہ تعالیٰ مرتدوں کے مقابلہ میں عاشقوں کا ذکر نہ فرماتے۔ اس لئے حکیم الامت فرماتے ہیں کہ سالکین کو چاہیئے کہ اہلِ محبت کی صحبت میں زیادہ رہا کریں۔

لیکن اہلِ محبّت کی علامت کیا ہے، یہ کیسے معلوم ہو کہ اس کے دل میں اللہ کی محبّت ہے یا نہیں کیونکہ ہر شخص دعویٰ کر سکتا تھا کہ میں بھی اللہ کے عاشقوں میں ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اسی آیت کے بعد اپنے عاشقوں کی تین علامات بیان فرمادیں۔

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ

جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبّت ہوتی ہے اس میں تواضع کی شان پیدا ہوجاتی ہے۔ ساری اکڑ فوں ختم ہوجاتی ہے، تکبّر نہیں رہتا، اپنے ہر مسلمان بھائی سے تواضع سے ملتا ہے۔ اس کی دلیل کیا ہے؟

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً

جب دُنیوی بادشاہ اپنے مفتوحہ علاقہ میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو برباد کر دیتے ہیں، اور اس کے معزز لوگوں کو گرفتار کر لیتے ہیں۔ مشایخ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو تمام بادشاہوں کے بادشاہ ہیں، وہ جب کسی قلب میں داخل ہوتے ہیں یعنی جس کے قلب کو اپنی نسبتِ خاص اور تعلق خاص عطا کرتے ہیں تو اس میں تکبّر و عجب وغیرہ کے جتنے چوہدری اور سردار اور خان صاحب بیٹھے ہوتے ہیں سب کو گرفتار کر لیتے ہیں۔ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً لہٰذا اس میں اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ کی شان پیدا ہوجاتی ہے، تواضع و فنائیت پیدا ہوجاتی ہے اور

تکبر و عجب ختم ہو جاتا ہے۔ میں نے اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ ان کی چال سے بھی فنائیت ظاہر ہوتی تھی۔

اور دُوسری علامت کیا ہے ؟

اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۔۔۔

اور تیسری علامت ہے

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اللہ کے راستہ میں مجاہدہ کی مشقت برداشت کرتے ہیں اور مجاہدہ کیا چیز ہے۔ مفسرین نے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا کی آیت کے ذیل میں مجاہدہ کی یہ تفسیر کی ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۷، ص۲۱۶)

(۱) اَلَّذِيْنَ اخْتَارُوا الْمَشَقَّةَ فِي ابْتِغَاءِ مَرْضَاتِنَا وَنُصْرَةِ دِيْنِنَا

یعنی جو ہماری رضا کی تلاش میں اور ہمارے دین کی نصرت میں ہر مشقت کو برداشت کرتے ہیں۔

(۲) وَالَّذِيْنَ اخْتَارُوا الْمَشَقَّةَ فِي امْتِثَالِ اَوَامِرِنَا

جو میرے احکام کو بجالانے میں ہر تکلیف اُٹھا لیتے ہیں۔ وہ بزبانِ حال یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ بھی ہو آپ کا حکم ماننا ہے۔

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو ترے قابل بنانا ہے مجھے

وہ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم بجالانے کے لیے ہر مشقت اُٹھا لیتے ہیں، اور اللہ ان کو اپنی محبت کے نام پر طاقت بھی دے دیتا ہے۔ دیکھئے یہاں میدانِ عرفات میں دھوپ ہے، پسینہ نکل رہا ہے، مگر جن کے دل میں اللہ نے اپنی محبت کا درد دیا ہُوا ہے وہ اس وقت بھی مست ہیں، وہ اس پسینہ پر خُوش ہو رہے ہیں کہ شکر ہے کہ

ہمارے کچھ پسینے ہی بہہ جائیں، صحابہ کا تو خون بہا تھا۔ بتائیے جنگ اُحد میں کیا ہُوا تھا آج اللہ کا شکر ہے کہ ہم کچھ گرمی کی تکلیف ہی برداشت کرلیں تاکہ کچھ تو ان کے مشابہ ہوجائیں لہُو لگا کے اگر شہیدوں میں نام ہوجائے تو غنیمت ہے۔

(۳) اور مجاہدہ کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ

والذین اختاروا المشقة فی الا نتهاء عن مناهینا

یعنی جو لوگ مشقت اختیار کرتے ہیں، تکلیف اُٹھاتے ہیں گناہوں کے چھوڑنے میں۔

اب اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ صاحب نظر بچانے میں، غیبت چھوڑنے میں، گناہ چھوڑنے میں تکلیف ہوتی ہے تو یہ تکلیف ہی تو برداشت کرنا ہے، جب مجاہدہ نہیں ہو گا تو مشاہدہ کیا ہوگا۔

المشاهدة بقدر المجاهدة

جس کا مجاہدہ جس قدر قوی ہوگا، اسی قدر اس کا مشاہدہ قوی ہوگا۔

پس محبّتِ کاملہ کی علامت یہ ہے کہ ایسا شخص ہر گناہ چھوڑنے کا تہیہ کرلیتا ہے کہ جان رہے یا نہ رہے لیکن اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ گناہ چھوڑنے میں زیادہ سے زیادہ موت آسکتی ہے وہ اس کے لئے بھی تیار ہوجاتا ہے۔ پس آہستہ آہستہ سب گناہ چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی بات چھوڑنا اللہ کی محبّت کی دلیل ہے۔

جو شخص گناہ نہیں چھوڑتا اس کی محبّت ابھی کامل نہیں ہوئی، اور اگر گناہ کر کے پریشانی بھی نہیں ہوتی تو ایسا شخص تو ابھی بالکل خام ہے، محبّت میں بالکل کچا ہے کیونکہ شاعر فانی بدایونی کو اپنی بیوی سے محبّت تھی وہ کہتا ہے ؎

ہم نے فانی ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات
جب مزاجِ یار کچھ برہم نظر آیا مجھے

بزرگوں نے لکھا ہے کہ جب دُنیاوی محبت میں پُوری دنیا اندھیری ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ان کے عاشقوں کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ اس کو کوئی کیا قیاس کر سکتا ہے۔

ذرا سی چُوک ہوئی تھی پچاس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بولنا چھوڑ دیا تھا تو صحابہ کو پُوری دُنیا اندھیری ہوگئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی کیفیت کو قرآن میں نازل فرمایا۔ اگر وہ خود اپنی کیفیت کو بیان کرتے تو تاریخ یہ کہتی کہ اپنے منہ سے تعریف کرلی، لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کی تعریف فرمادی اور قیامت تک کے لئے انکی محبت پر مُہر تصدیق ثبت فرمادی کہ یہ میری ناراضگی سے اتنا بے چین ہیں کہ ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ساری کائنات وسیع ہونے کے باوجود ان پر تنگ ہو چکی ہے۔ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ اور وہ اپنی جان سے بھی بیزار ہیں یعنی اپنی زندگی ان کو تلخ ہو چکی۔

معلوم ہوا کہ اتنی پریشانی گناہ کے بعد جس کو نہ ہو اس کو ابھی محبتِ کاملہ کی چاشنی نہیں ملی ورنہ جس کو اللہ سے صحیح تعلق ہے وہ تو ذرا سے مکروہ سے بھی پریشان ہو جاتا ہے جیسے قطب نما کی سُوئی کو ذرا سا ہٹا دیجئے تو مضطرب ہو جاتی ہے اور جب رُخ صحیح کر لیتی ہے تو ٹھہر جاتی ہے۔ اسی لئے سکینہ کی تعریف یہ کی گئی ہے۔ (روح المعانی پ١١ ص٢٥)

ھی نور یستقر فی القلب وبہٖ یثبت التوجہ الی الحق

سکینہ ایک نور ہے جو دل میں ٹھہر جاتا ہے اور پھر وہ قلب ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ دل میں سکینہ آنے کی علامت یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ سے غفلت نہیں ہو سکتی، چاہے وہ بازار میں ہو چاہے مسجد میں ہو چاہے بال بچوں میں ہو کہیں بھی ہو۔ وہ اللہ سے غافل نہیں ہو سکتا جیسے قطب نما کی سُوئی میں مقناطیس کی پالش لگ گئی ہر وقت مرکز مقناطیس کی طرف متوجہ ہے۔ جس کے دل میں نور کی پالش لگ گئی اس کے قلب کا رُخ ہر وقت اللہ کی طرف درست رہتا ہے۔ اگر کبھی ذرا سا ہٹ

جائے تو بے چین ہو جاتا ہے۔ جب تک قلب کا قبلہ اللہ کی طرف درست نہیں کر لیتا چین نہیں آتا۔ یعنی اگر اس سے کبھی کوئی ایسا فعل ہو جائے جس کے بارے میں اسے معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ میری اس بات سے راضی نہیں ہیں تو سجدہ میں سر رکھ کر اشکبار آنکھوں سے سجدہ گاہ کو تر کر کے اپنی مناجات میں اپنا خونِ جگر پیش کر کے اللہ کو راضی نہیں کر لیتا اس وقت تک اسے دُنیا کی کوئی نعمت اچھی نہیں معلوم ہوتی، یہ مجبُورِ محبت ہو کر رہ جاتا ہے۔ یعنی اگر یہ خدا کو بھُلانا بھی چاہے تو بھُلانے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ اسی کو خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

بھُلاتا ہوں پھر بھی وہ یاد آرہے ہیں

اس کیفیت کو حاصل کرنے کے لئے کیا کرنا ہے؟ بس قلب پر ذکرِ اللہ کے نور کی پالش لگانا ہے۔

دیکھئے! قطب نما کی سُوئی میں مقناطیس کی ذرا سی پالش لگتی ہے، تو وہ سُوئی مرکزِ مقناطیس قطب شمالی کی طرف ہر وقت مُستقیم رہتی ہے اور لاکھوں ٹن لوہا جس میں مقناطیس کی یہ پالش نہ ہو اس کی استقامت کو پھیرا جا سکتا ہے، شرق و غرب، شمال جنوب، جس طرف چاہو اس کا رُخ کر لو، لیکن اس سُوئی کا رُخ آپ نہیں بدل سکتے۔ ایسے ہی یہ چھوٹا سا دِل ہے اگر اس میں اللہ کے ذکر کی برکت سے نور کی پالش لگ جائے تو مرکزِ نور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک اس کو ہر وقت اپنی طرف کھینچے رکھتی ہے۔

ہاں تو میں مجاہدہ کی تفسیر عرض کر رہا تھا، جو بیان ہو چکی۔

لیکن مجاہدہ کا انعام کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ بھائی مجاہدہ میں تکلیف ہوتی ہے تو کچھ ملنا بھی چاہیئے۔

نعم البدل کو دیکھ کے توبہ کرے گا میر

وہ نعم البدل کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

ضرور ضرور ہم ان کے لئے ہدایت کے دروازے کھول دیں گے۔

مُفسرین نے اس کی دو تفسیریں کی ہیں۔ (رُوح المعانی ج ۲۱ ص ۱۴ و تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۱۶)

(۱) لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَ السَّيْرِ اِلَيْنَا

یعنی ہم اپنی ذات کی طرف سیر کے بے شمار دروازے کھول دیں گے سَبِیْل کی جمع سُبُل ہے اور اللہ تعالیٰ کا جمع محدُود نہیں ہوتا، مخلوق کا جمع تو تین عدد سے شروع ہوتا ہے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا جمع ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ ہم ان کے لئے ہدایت کے بے شمار دروازے کھولتے ہیں، یعنی ہم اپنی ذات تک ان کو رسائی دیتے ہیں۔

(۲) اور دُوسری تفسیر ہے

وَسُبُلَ الْوُصُوْلِ اِلٰى جَنَابِنَا

اور اپنی بارگاہ تک ان کو واصل کر لیتے ہیں یعنی واصل باللہ بنا دیتے ہیں۔ ایک تو ہے اللہ تک سیر کرنا، اللہ کی طرف چلنا۔ اور ایک ہے حق تعالیٰ کی ذات وصفات میں غوروفکر نصیب ہو کر دربار کے اندر داخل ہو جانا، یہ دو چیزیں ہوئیں۔ ایک ہے دربار تک پہنچنا، اور ایک ہے دربار کے اندر داخل ہو کر مشاہدہ کرنا۔ یہ ہے وصُول الی اللہ کہ ان کو اپنے وصل تام یعنی قربِ تام کی تجلّیات سے مشرف فرماتے ہیں۔ اپنے قربِ خاص کی لذت چکھاتے ہیں۔ یہ ہے لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا کی تفسیر۔ کیا عمدہ تفسیر فرمائی ہے۔ علّامہ آلوسی صاحب نسبت بزرگ تھے۔ ایسے ہی علامہ شامی، یہ لوگ صُوفیا تھے، اللہ اللہ کرنے والے تھے، باقاعدہ بیعت تھے۔ اور اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ کی تفسیر فرماتے ہیں کہ جب اتنا مجاہدہ کرو گے پھر ہم تم کو اپنا مخلص قرار دے دیں گے کہ تم ہمارے مخلص ہو اب ملاوٹ نہیں رہی

اب خالص ہو گئے ، للہٰذا اب ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں ۔ ورنہ دیکھئے حلوہ کھا کر کوئی آپ سے کہہ دے کہ میں آپ کا مخلص دوست ہوں ، آپ تسلیم نہیں کرتے ، کہتے ہیں کہ ہم تم کو بلوہ سے آزمائیں گے یعنی کچھ مشقت میں ڈالیں گے ۔ جو آپ کے لئے تکلیف اُٹھاتا ہے آپ بھی اس کو اپنا مخلص دوست قرار دیتے ہیں ۔

(اس مقام پر حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم خواتین کے خیمہ سے وعظ فرما کر واپس تشریف لائے تو حضرت ادباً خاموش ہو گئے ۔ وعظ کے لئے جاتے وقت حضرت مولٰنا شاہ ابرارالحق صاحب مدظلہٗ ہمارے حضرت سے فرما گئے تھے کہ یہاں مردوں میں آپ بیان کریں ۔ حضرت نے عرض کیا کہ حضرت مضمون پورا کر دوں تو فرمایا کہ ہاں ۔ اور کیا بات تو پوری ہونی چاہیئے ، اسکے بعد پھر بیان شروع فرمایا ۔ جامع)

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ انسان سے زندگی میں جو گناہ ہوتے ہیں اس پر چار گواہ بن جاتے ہیں اور چاروں گواہوں کو قرآن پاک کی نص قطعی سے ثابت کر دیا گیا ۔

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا

ایک گواہ تو زمین ہے جس پر گناہ ہوتے ہیں ۔

دُوسرا ہے

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ
وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ

جن اعضاء سے گناہ صادر ہوتا ہے وہ شاہد بنتے ہیں ۔

تیسرا گواہ صحیفۂ اعمال ہے

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ

چوتھا گواہ ہے

كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ

تو چار گواہ تیار ہو گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک نسخہ بھی بتا دیا کہ اگر تم گناہ کر چکے اور چار چار گواہ اس گناہ پر تمہارے خلاف مقرر ہو چکے تو اب تمہاری بگڑی کیسے بنے گی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری بگڑی کے چاروں گواہوں کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کیمیکل عطا فرمادیا ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعہ بندوں کو ایک ایسا پاؤڈر دے دیا کہ اگر وہ گناہوں پر چھڑک دیا جائے تو گناہوں کا پتہ ہی نہیں چلتا کہ کہاں گئے ۔ سب گواہ ختم ساری ریل صاف ۔ وہ کیا ہے ؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے التشرف فی احادیث التصوف میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے ۔ (جامع صغیر ج ۱ صـ۲)

اِذَا تَابَ الْعَبْدُ اَنْسَى اللّٰهُ الْحَفَظَةَ ذُنُوبَهٗ وَاَنْسٰى ذٰلِكَ جَوَارِحَهٗ وَمَعَالِمَهٗ مِنَ الْاَرْضِ حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ وَلَيْسَ عَلَيْهِ شَاهِدٌ مِّنَ اللّٰهِ بِذَنْبٍ

یعنی بندہ جب توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ ملائکہ (کراماً کاتبین) کو بھی بھلا دیتا ہے اور جن اعضاء سے گناہ ہوا تھا ان اعضاء سے بھی بھلا دیتا ہے اور جہاں جہاں زمین پر گناہ ہوئے تھے زمین کے نشانات بھی مٹا دیتا ہے ، یہاں تک کہ وہ شخص قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے گناہ پر کوئی گواہی دینے والا نہ ہوگا ۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے گناہوں کو مٹانے کے لئے ملائکہ کو بھی استعمال نہیں کیا بلکہ اپنی طرف نسبت فرمائی کہ اَنْسَى اللّٰهُ یعنی اللہ بھلا دے گا ۔ اس کا راز کیا ہے ؟ تاکہ فرشتے قیامت کے دن طعنہ نہ دے سکیں کہ تم تھے تو نالائق مگر ہم نے تمہاری خطاؤں کو مٹا دیا تھا ، فرشتوں کے احسان سے اپنے بندوں کو بچا لیا اور اپنے غلاموں کی آبرو رکھ لی ۔ دُنیا میں کوئی ایسا بادشاہ

نہیں گذرا جو کسی پھانسی کے مجرم کو معاف کر دے اور کہہ دے کہ اس کی جتنی فائلیں ہیں وہ بھی ختم کر دو ۔ دُنیا کے بادشاہ ایسا نہیں کرتے ، وہ اگر معاف بھی کرتے ہیں تو ان کے سُپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کی عدالتوں میں اس کے جُرم کا ریکارڈ محفوظ رکھا جاتا ہے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس کو معافی دیتے ہیں ، اس کے تمام گواہ اور دستاویزات اور اس کے جرائم کا تمام ریکارڈ ختم کر دیتے ہیں ۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کیسے کریم ہیں ، ان کے کرم کے مقابلہ میں دُنیا کے سلاطین کہاں سے کرم لائیں گے ۔ کیا شان ہے اس کریم سُلطان السلاطین کی ۔

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب کا شعر ہے ۔

میں ان کے سوا کس پہ فدا ہوں یہ بتا دے
لا مجھ کو دکھا ۔ ان کی طرح کوئی اگر ہے

اور جو لوگ گناہ چھوڑنے میں اگر مگر کر رہے ہیں کہ میں اگر داڑھی رکھ لوں گا تو مگر یہ ہو جائیگا ۔ مولانا شاہ محمد احمد صاحب ان کے لیے یہ شعر فرماتے ہیں ۔

مرضی تری ہر وقت جسے پیشِ نظر ہے
بس اس کی زباں پر نہ اگر ہے نہ مگر ہے

اللہ کے عاشقوں میں اگر مگر کہاں ۔ وہ تو کہتے ہیں ؎

ہیں تبر بردار و مردانہ بزن

مولانا رُومی فرماتے ہیں ارے بھالا اُٹھاؤ اور نفس پر مردانہ حملہ کرو ، یعنی اُس کے حرام تقاضوں کو کچل ڈالو ، ورنہ انہیں خباثتوں میں یہ ایک دن موت سے ہمکنار کر دے گا اور مجرمانہ طور پر اللہ تعالیٰ کے یہاں حاضری کا خطرہ ہے ، لہٰذا دیر مت کرو یہ تمہارا دشمن ہے ، دشمن پر چُوڑیاں پہن کر زنانہ حملہ نہ کرو ۔ فرماتے ہیں ؎

ہیں تبر بردار و مردانہ بزن
چُوں علی وار ایں درِ خیبر شکن

ارے جلدی تبر اُٹھاؤ اور اس پر مردانہ حملہ کرو اور نفس کے قلعۂ خیبر کو مردانہ ہمّت کے ساتھ حملہ کرکے ختم کردو ۔ لیکن یہ ہمّتیں کہاں سے ملیں گی ؟

گناہ چھوڑنے کی ہمّت کیسے عطا ہوتی ہے ، اس کے تین نسخے کمالاتِ اشرفیہ میں حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائے ہیں ۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہم گناہ چھوڑدیں ، وہ تین کام کریں ۔

۱ : پہلے خود ہمّت کریں ۔

۲ : اللہ تعالیٰ سے عطائے ہمّت کی دُعا مانگیں ۔

۳ : خاصانِ خدا سے دُعا کی درخواست کریں ۔

انشاء اللہ گناہ کی عادت چھوٹ جائے گی ۔ اللہ تعالیٰ نے جو سرکاری مضمون معافی کا نازل فرمایا کہ ہم سے اس طرح مانگو ۔ اب اس کا ترجمہ مع تفسیر کرتا ہوں ۔ (روح المعانی ج ۳ صا۷)

وَاعْفُ عَنَّا کا ترجمہ علامہ آلوسی نے کیا ہے اُمْحُ اٰثَارَ ذُنُوْبِنَا یعنی ہمارے گناہوں کے آثار ونشانات اور گواہوں کو مٹادیجئے اور وَاغْفِرْ لَنَا کے معنی ہیں بِسَتْرِ الْقَبِیْحِ وَاِظْھَارِ الْجَمِیْلِ ہماری برائیوں پر ستاری کا پردہ ڈال دیجئے اور ہماری نیکیوں کو خلق پر ظاہر فرمادیجئے اور وَارْحَمْنَا کے کیا معنی ہیں ۔ جب معافی ہوگئی اور مغفرت ہوگئی اب سکھا رہے ہیں کہ جب ہم نے تم کو معاف کردیا اور تمہاری خطائیں بخش دیں تو اب ہم سے رحمت کی درخواست کرو ۔ جس طرح جب بیٹے نے معافی مانگ کر ابا کو خوش کرلیا تو ابا سے اپنا جیب خرچ جاری کرالیتا ہے ، تو اللہ تعالیٰ سکھا رہے ہیں کہ تم بھی اپنے ربا سے اپنا جیب خرچ جاری کرالو اور کہو وَارْحَمْنَا اے ہمارے ربا اب ہم پر رحمت نازل فرمائیے ۔ اب سوال یہ ہے کہ رحمت کیا چیز ہے ۔ حکیم الامّت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے رحمت کی چار تفسیریں کی ہیں ، لہٰذا جب عفو ومغفرت کے بعد رحمت مانگے تو اس میں چار نیّت کرلے ۔

۱: توفیقِ طاعت

کیونکہ گناہوں سے توفیقِ طاعت چھن جاتی ہے۔ حکیم الامّت فرماتے ہیں کہ جو لوگ بدنگاہی کرتے ہیں پھر اس کے بعد وہ تلاوت کریں ان کو تلاوت میں مزہ نہیں آئے گا جب تک کہ توبہ نہ کریں، گناہوں سے حلاوتِ عبادت بھی چھن جاتی ہے۔ لہٰذا وَارْحَمْنَا جب کہو تو نیّت کرلو کہ اے ہمارے رب توفیقِ طاعت کو جاری کر دیجئے۔ توفیقِ طاعت کے بعد رحمت کی دُوسری تفسیر حکیم الامّت نے فرمائی:

۲: فراخئ معیشت

گناہوں سے رزق میں تنگی آجاتی ہے اور برکت نہیں رہتی، اور برکت کی تعریف امام راغب اصفہانی نے مفرداتُ القرآن میں کی ہے فیضانِ خیراتِ الٰہیہ یعنی اللہ تعالیٰ کی خیرات کی بارش، اگر یہ رُک گئی تو ایک لاکھ کماتے رہو کچھ برکت نہیں ہوگی۔ اور رحمت کی تیسری تفسیر ہے:

۳: بے حساب مغفرت

اور چوتھی تفسیر ہے

۴: دخولِ جنّت

لہٰذا وَارْحَمْنَا کے معنی ہُوئے کہ اے ہمارے رب ہمیں پھر سے توفیقِ طاعت جاری فرما دیجئے، فراخئ معیشت عطا فرما دیجئے، ہماری بے حساب مغفرت فرما دیجئے اور دخولِ جنت نصیب فرما دیجئے۔

اور بھائی الیاس صاحب نے مجھ سے پُوچھا کہ کوئی ایسا بھی نسخہ ہے کہ بے حساب مغفرت ہوجائے، جیسے کسٹم کے وقت جس کا کسٹم لینا نہیں ہوتا تو اس کے سامان پر چاک لگا دیا جاتا ہے، پھر سامان کھول کر دیکھتے بھی نہیں کہ اس میں کیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں ایک ایسا نسخہ بھی ہے کہ قیامت کے دن ہمارے کچے چٹھے نہ کھولے جائیں اور حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا سکھائی :

اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا (روح المعانی ج ۳۰ ص۸۰)

اے خدا ہمارا آسان حساب لیجئے۔

مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسان حساب کے کیا معنی ہیں۔

اب الفاظِ نبوت کی شرح الفاظ نبوت سے سُنیئے۔ یعنی اپنے کلام کی شرح خود سرور دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمادی کہ آسان حساب اس کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے نامۂ اعمال پر ایک نظر ڈالیں اور پھر کچھ نہ پوچھیں اور فرمائیں جاؤ جنت میں۔ یہ ہے آسان حساب۔ اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

اور وَارْحَمْنَا کی تفسیر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کی ہے :

تَفَضَّلْ عَلَیْنَا بِفُنُوْنِ الْاٰلَاءِ مَعَ اِسْتِحْقَاقِنَا بِاَفَانِیْنِ الْعِقَابِ

اے اللہ اب ہم پر طرح طرح کی نعمتوں سے مہربانی فرمائیے، اگرچہ ہم تو طرح طرح کی سزاؤں کے مستحق ہیں۔

اب اہلِ علم حضرات ذرا غور کریں دیکھئے وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا میں ضمیر مستتر استعمال ہوئی تھی، اب جب معافی ہوگئی، مغفرت ہوگئی اور رحمت کی بارش ہورہی ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم لوگ جو اپنی نحوست معاصی کی وجہ سے حالتِ استتار میں تھے اب ضمیر مستتر مت استعمال کرو، کیونکہ تمہاری معافی، مغفرت اور نزولِ رحمت کے بعد اب تمہارے حجابات اُٹھ چکے، گناہوں کے پردے ختم ہوگئے۔

پردے اُٹھے ہوئے بھی ہیں ان کی ادھر نظر بھی ہے
بڑھ کے مقدر آزما سر بھی ہے سنگ در بھی ہے

لہٰذا اب ہم سے براہِ راست باتیں کرو، اب ضمیرِ بارز استعمال کرو اور کہو اَنْتَ مَوْلٰنَا آپ ہمارے مولا ہیں۔ اَنْتَ جب ہی استعمال ہوتا ہے جب کوئی سامنے ہوتا ہے اب ہم تمہارے سامنے ہیں لہٰذا اب اَنْتَ مَوْلٰنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا کہے جاؤ اور ہماری حضوری کا لُطف لیئے جاؤ۔

علامہ آلوسی نے اَنْتَ مَوْلٰنَا کی تین تفسیریں کی ہیں:

اَنْتَ سَیِّدُنَا وَ مَالِکُنَا وَ مُتَوَلِّیِ اُمُوْرِنَا

آپ ہمارے آقا ہیں، مالک ہیں اور ہمارے اُمور کے متولی ہیں۔

آج کیونکہ اسی مضمون کی ضرورت تھی اس لئے عرض کردیا۔ اب دو تین چیزیں اور مانگنی ہیں۔ وہ دو تین منٹ میں مختصر بیان کرتا ہوں۔ محدّثین نے لکھا ہے کہ تین لفظ ایسے ہیں جن کا کوئی بدل اہلِ عرب کے کلام میں نہیں ہے۔

۱: نصیحت

۲: فلاح

۳: عافیت

مشکوٰۃ کی روایت ہے اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ (مشکوٰۃ ص۴۲۳) دین نام نصیحت کا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی جتنی مخلوق ہے سب کی خیر خواہی کا جذبہ پیدا ہوجائے، ساری مخلوقِ خدا پر رحمت کی درخواست ہوجائے کہ اے اللہ اہلِ کفر کو اہلِ ایمان بنادے اور اہلِ ایمان کو اہلِ تقویٰ کردے، اہلِ بلا کو اہلِ عافیت کردے۔ اہلِ مرض کو اہلِ صحت کردے اور چیونٹیوں پر بھی رحم کردے اور سمندر کی مچھلیوں پر بھی رحم کردے۔ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک زمانہ میں ساری مخلوق کیلئے دُعا کیا کرتا تھا۔

محدّثین نے لکھا ہے نصیحت کہتے ہیں جمیع خلائق کی خیر خواہی کو اللہ تعالیٰ

کی نسبت سے۔ بس یہ نسبت قائم ہو جائے کہ یہ میرے اللہ کے بندے ہیں اور اس نسبت کی وجہ سے ان کی خیر خواہی کرنا اور ان سے محبت کرنا، اسی کا نام نصیحت ہے۔ جب یہ نسبت قائم ہو جاتی ہے تو قلب میں ہر مومن کا اکرام رہتا ہے۔

حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ نسبت مع اللہ کا سب سے بڑا ظہور اللہ کے بندوں کے ساتھ برتاؤ سے ہوتا ہے، اسی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص صاحبِ نسبت ہے یا نہیں۔ جو صاحبِ نسبت ہو جاتا ہے اس کے قلب میں ہر مومن کا اکرام پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے کو سب سے حقیر سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کی خیر چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مخلوق کا خیر خواہ بنا دے۔

اور فلاح کے کیا معنی ہیں۔ لغتِ عرب میں ایسا جامع کوئی لفظ نہیں ہے اور فلاح کے وعدے قرآن پاک میں جگہ جگہ آئے ہیں جن میں ایک ذکر اللہ بھی ہے۔

وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

صاحبِ جلالین نے تُفْلِحُوْنَ کے معنی لکھے ہیں

ای تَفُوْزُوْنَ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ (ص۲۸)

یعنی تم دُنیا و آخرت میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ کہتے ہیں کہ فلاح کے معنیٰ ہیں

جَمِیْعُ خَیْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃ

دُنیا و دین کی ساری بھلائیاں اس کو مل جاتی ہیں جس کو اللہ نے فلاح عطا کر دی اور یہ موقوف ہے ذکر اللہ پر، اور ذکر اللہ کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی نافرمانی میں مُبتلا نہ ہو، سب سے بڑا ذکر یہ ہے۔

دیکھئے ایک شخص مُرغ کا سُوپ پیتا ہے، وٹامن کھاتا ہے طاقت کے خمیرے کھاتا ہے لیکن زہر سے باز نہیں رہتا تو بتائیے مرغ کا سُوپ اور وٹامن اور طاقت کے خمیرے اسے کچھ نفع دیں گے؟

معلوم ہُوا کہ جس طرح طاقت کے ٹانک اور خمیروں کے ساتھ زہر سے بچنا ضروری ہے، اسی طرح ذکر و نوافل و طاعات کا نفع بھی موقوف ہے معاصی سے بچنے پر۔ اس لیے مفسرین لکھتے ہیں کہ اللہ کے احکامات کو بجالانا اور اللہ کی نافرمانی کو چھوڑ دینا یہ سب ذکر اللہ میں شامل ہے۔

دیکھئے محبوب کے دو حق ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ محبوب نے جس کام کا حکم دیا ہے وہ کرلو، دوسرے یہ کہ وہ کس کس بات سے ناراض ہوتا ہے، ان باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ۔ جس کو یہ فکر نہیں اس کی محبّت کامل نہیں۔ بس اسی سے سمجھ لیں کہ جو شخص محبوبِ حقیقی تعالیٰ شانہٗ کو راضی کرنے والے اعمال تو کرتا ہے لیکن ناراض کرنے والے اعمال سے نہیں بچتا، یعنی ان کی ناراضگی سے بچنے کی فکر نہیں کرتا اس کو ابھی حق تعالیٰ کی محبتِ کاملہ حاصل نہیں۔

اور عافیت کیا ہے؟ ہم رات دن عافیت کی درخواست کرتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ عافیت ہے کیا چیز۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوبکر صدیق تم اللہ تعالیٰ سے عفو اور عافیت مانگا کرو اور فرمایا

لَمْ يُعْطَ اَحَدٌ بَعْدَ الْيَقِيْنِ خَيْرًا مِّنَ الْعَافِيَةِ (ترمذی ج ۲ ص ۱۹۶)

یعنی کوئی شخص ایمان کے بعد عافیت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں دیا گیا۔

پس ایمان کے بعد اگر سب سے بڑی دولت کوئی ہے تو عافیت ہے۔ لہٰذا اتنی بڑی دولت کی شرح تو معلوم کرنی چاہیئے کہ کیا ہے۔ عام آدمی تو سمجھتا ہے کہ عافیت کے معنی ہیں ایئر کنڈیشنڈ کرے اور سامانِ عیش اور ماکولات و مشروبات کی فراوانی اور بس۔ لیکن عافیت کی حقیقت کیا ہے ملّا علی قاری مشکوٰۃ کی شرح مرقات (ج ۵ ص ۲۴۵) میں لکھتے ہیں کہ عافیت کے معنی ہیں

اَلسَّلَامَةُ فِي الدِّيْنِ مِنَ الْفِتْنَةِ

عافیت اس کو حاصل ہے جس کا دین فتنوں سے محفوظ ہو۔ یعنی اللہ کے غضب اور ناراضگی کے اعمال سے محفوظ ہو۔ اور عافیت کا دُوسرا جُز کیا ہے وہ بھی سُنیئے کیوں کہ اس کے بغیر عافیت نامکمل ہے۔

والسلامۃ فی البدن من سیئی الاسقام والمحنۃ

یعنی دین بھی فتنہ و نافرمانی اور ضرر سے محفوظ ہو اور جسم بھی بُری بُری بیماریوں سے محفوظ رہے اور مشقتِ شدیدہ سے مامون ہو، مشقتِ شدیدہ سے بھی پناہ آئی ہے، بس اس کا نام ہے عافیت۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ کے بعد وَالْمُعَافَاۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ہے تو معافات کے کیا معنی ہیں۔

ملّا علی قاری فرماتے ہیں کہ معافات یہ ہے کہ

اَنْ یُّعَافِیَکَ اللّٰہُ مِنَ النَّاسِ

یعنی اللہ تعالیٰ تم کو لوگوں کے ظلم سے محفوظ رکھے

وَاَنْ یُّعَافِیَھُمْ مِنْکَ (مرقاۃ ج ۵ ص ۲۴۵)

اور تمہارے ظلم سے لوگوں کو محفوظ رکھے۔ دونوں طرف سے عافیت ہونی چاہیئے۔ یہ نہیں کہ ہم تو بزرگ ہو گئے ہم لوگوں کو ستاتے رہیں اور ہم مستثنیٰ ہیں، کوئی ہمیں نہ ستائے۔ ہم میں سے ہر ایک کو احساس رہنا چاہیئے کہ ہماری ذات سے دوسرے کو ایذاء اور تکلیف نہ پہنچے۔

دوستو، عزیزو اور میرے بزرگو!

عافیت کی نعمت ایسی نعمت ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو افضل الصحابہ ہیں جن کی چار پُشت صحابی تھی، یعنی ان کے والد ابو قحافہ صحابی، حضرت صدیق اکبر صحابی، ان کے بیٹے عبدالرحمٰن بن ابی بکر صحابی اور ان کے بیٹے صحابی۔ اور یہ شرف کسی صحابی کو

حاصل نہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا یار غار کوئی نہیں تھا کہ جوانی سے دونوں میں دوستی تھی۔ تاریخ میں ہے کہ سولہ سال کی عمر صدیق اکبر کی تھی اور اٹھارہ سال کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے، اس وقت سے ایک نبی اور ایک صدیق کی دوستی تھی۔ ایسے جلیل القدر اور پیارے صحابی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے صدیق تم اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت مانگا کرو۔ اس سے نعمتِ عافیت کی قیمت و اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اِن کا ایک واقعہ سُنا کر بیان ختم کر رہا ہوں کیونکہ زیادہ وقت نہیں۔

علّامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائصِ کبریٰ، جلد نمبر ا، صفحہ ۲۹ پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایک خاص مقام لکھا ہے کہ جب یہ جوان تھے تو تجارت کے لئے شام تشریف لے گئے۔ وہاں ایک خواب دیکھا اور ایک راہب سے پوچھا کہ اس کی تعبیر کیا ہے۔ اس راہب نے پُوچھا مَنْ اَنْتَ تم کون ہو۔ فرمایا ابوبکر، پھر پُوچھا مِنْ اَیِّ بَلَدٍ، کس شہر سے آ رہے ہو، فرمایا مکہ شریف سے، کہا کہ شغل کیا ہے، فرمایا تجارت۔ اس راہب نے کہا کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ

"تمہارے اس شہر مکہ میں اللہ تعالیٰ ایک نبی مبعوث فرمائیں گے اور ان کا نام مُبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔

وَاَنْتَ تَكُوْنُ وَزِيْرَهٗ فِىْ حَيَاتِهٖ وَخَلِيْفَتَهٗ بَعْدَ وَفَاتِهٖ

اور ان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں تم ان کے وزیر بنو گے اور ان کی وفات کے بعد تم ان کے خلیفہ بنو گے۔"

لکھا ہے کہ اس خواب اور تعبیر کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے چھپایا۔ لَمْ يُخْبِرْ اَحَدًا مِّنَ النَّاسِ کسی شخص سے نہیں بتایا، یہاں تک کہ یہ اڑتیس سال کے ہو گئے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کے ہو گئے اور آپ کو

نبوّت عطا ہو گئی اور آپ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے اور پُوچھا

ما الدليل على ماتدعى

آپ جو دعویٰ نبوّت فرما رہے ہیں کیا آپ کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے۔
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

رویاك التی رأیتها بالشام

میرے دعویٰ نبوّت کی دلیل تیرا وہ خواب ہے جو تو نے شام میں دیکھا تھا، اور تو نے کسی کو نہیں بتایا تھا۔
اللہ تعالیٰ نے بذریعہ جبرئیل علیہ السلام اس کی خبر دے دی۔ روایت میں ہے

فعانقه و قبل بين عينيه

مارے خوشی کے حضرت صدّیق اکبر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معانقہ کر لیا کہ ہائے میرا دوست اس اُونچے مقام پر ہے۔ اور آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی کو بوسہ دیا اور یہ خُوشی کا معانقہ تھا۔
بس یہ بات بیان کرنے سے رہ گئی تھی اور اسی پر ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ٥

———o———
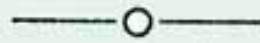
وہ مرے لمحات جو گذرے خُدا کی یاد میں
بس وہی لمحات میری زیست کا حاصل رہے

حضرت مولانا محمد اختر صاحب مدظلہٗ

اہلِ دُنیا اور اہلُ اللہ کے عیش کا فرق

۹ صفر المظفر ۱۳۹۴ھ مُطابق ۱۳ مارچ ۱۹۷۴ء کو حضرتِ اقدس مولانا شاہ محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کا بعض احباب کی دعوت پر سفرِ حیدر آباد ہُوا تھا ، حافظ عبدالقدیر صاحب ، مالک مکتبۂ اصلاح و تبلیغ ، کے مکان پر کچھ احباب جمع ہو گئے ، اس وقت ارشاد فرمایا کہ

بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کے جسم پر دو ہزار کا لباس ہے ، اور دو لاکھ کی کار میں ان کا جسم بیٹھا ہُوا ہے ، لیکن ان کا دل ویران ہے ۔ حق تعالیٰ کے تعلق اور محبت سے بالکل خالی ہے ۔ اللہ کے نزدیک ان کے دل کی کوئی قیمت نہیں ہے ۔ اور بعض بندے ایسے ہیں کہ ان کے جسم پر پیوند لگے ہوئے ہیں اور کھانے میں چٹنی روٹی ہے ، لیکن ان کے سینوں میں جو دل ہے وہ حق تعالیٰ کے قُرب و معیت سے اس قدر قیمتی ہو گیا کہ وہ ایک دل اللہ کے نزدیک لاکھوں غافل اجسامِ انسانیہ سے زیادہ محبوب فائق تر اور قیمتی ہے ، اور حق تعالیٰ کے تعلق کے فیض سے چٹنی روٹی اور افلاس میں ان کے دلوں کو وہ چین نصیب ہے کہ بادشاہوں نے خواب میں بھی نہیں دیکھا ۔ برعکس جو خدا سے غافل ہیں ۔ ان کا جسم اگرچہ کار میں بیٹھا ہُوا ہے ، اور دو ہزار کا سوٹ زیبِ تن کیا ہُوا ہے ، اور زبان پر مُرغ اور بریانی کا لُقمہ ہے ، لیکن دل بے چین و بے سکون

ہے۔ معلوم ہوا کہ باہر کی چیزیں دل کو سکون نہیں دے سکتیں۔ اندر اگر سکون ہے تو باہر کی چیزیں کار، بنگلہ، بیوی، بچے اور عمدہ غذائیں اچھی معلوم ہوتی ہیں، اور اگر دل میں سکون نہیں ہے تو باہر کی چیزیں کانٹا معلوم ہوتی ہیں۔ پھر بیوی بچے بھی اچھے نہیں لگتے، کار اور بنگلہ بھی اچھا نہیں لگتا، مرغ اور کباب کا لقمہ بھی زہر معلوم ہوتا ہے۔ ؎

دل گلستاں تھا تو ہر شئے سے ٹپکتی تھی بہار
دل بیاباں ہوگیا، عالم بیاباں ہوگیا

اہلِ دُنیا کے لیے دنیا عذاب اس لیے ہوگئی کیوں کہ دنیا کی محبت ان کے دل میں داخل ہوگئی، ورنہ اہل اللہ کے پاس اگر دنیا آتی بھی ہے تو وہ دنیا کو دل سے باہر رکھتے ہیں، ان کے دل میں صرف اللہ ہوتا ہے اور ہر وقت حق تعالیٰ کے قُربِ خاص، تعلقِ خاص و معیتِ خاصہ سے مشرف ہوتا ہے۔ ایسے دل کو اگر پُوری دُنیا کی سلطنت و بادشاہت بھی مل جائے اور وہ پُوری کائنات پر سلطنت و حکمرانی کرے، لیکن کائنات اس کے سامنے بے قدر، محکوم اور مغلوب ہوتی ہے۔

کیونکہ سُورج کا ہم نشین ستاروں سے کب مرعُوب ہو سکتا ہے۔

جس کو اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی و مجالست یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد کی توفیق اور ان کی محبت کی لذت وحلاوت نصیب ہوگئی، ساری کائنات کی لذتیں اس کے سامنے ہیچ و بے قیمت ہو جاتی ہیں۔

چوں سُلطان عزت علم بر کشد
جہاں سر بجیب عدم در کشد

وہ سُلطانِ حقیقی جس دل پر اپنی معیتِ خاصہ کا انکشاف فرما دیتا ہے۔ ساری کائنات مع اپنی لذتوں کے جیب عدم میں اپنا سر ڈال دیتی ہے، اس لئے وہ دل

پوری کائنات اور معاشرہ کی رفتار اور گمراہی پر غالب رہتا ہے۔ کیونکہ اس پر حق تعالیٰ کی محبت چھا گئی اس لئے یہ پوری کائنات اور زمانہ پر چھا گیا۔ ؎

میرا کمالِ عشق بس اتنا ہے اے جگر
وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

اس لئے آدمی عین امارت و بادشاہت کی حالت میں اللہ کا ولی ہو سکتا ہے۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ اللہ والے دنیا چھڑاتے ہیں حالانکہ اللہ والے دُنیا نہیں چھڑاتے وہ تو ہمیں دونوں جہان کی بادشاہت دینا چاہتے ہیں۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جو ذات دونوں جہان کی مالک ہے اس کو راضی کر لو تاکہ دُنیا کی زندگی میں بھی وہ عیش مل جائے جس پر بادشاہ رشک کریں اور جنّت کی دائمی سلطنت بھی مل جائے۔

جو شخص دونوں جہان کے مالک کو راضی کر لیتا ہے تو وہ مالکِ دوجہاں بھی اس کی زندگی کو عیش اور سکون والی زندگی بنا دیتا ہے اور کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا کوئی کفو نہیں ہے

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

کوئی ان کی ہمسری اور برابری کرنے والا نہیں ہے۔

اس لئے ان کے نام پاک کی لذّت کا بھی کوئی کفو اور کوئی بدل نہیں ہے حتیٰ کہ جنت کی نعمتیں بھی اللہ کے نام کی لذت کی برابری و ہمسری نہیں کر سکتیں۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ والے دُنیا کے عوض نہیں بکتے، کیوں کہ ان کے دل اس عیش سے مشرّف ہیں جس کا دونوں جہان میں کوئی کفو، بدل اور ہمسر نہیں ہے۔ برعکس اہل دنیا جو مٹی اور پانی کی چیزوں سے لذت و عیش درآمد کر رہے ہیں، ان کا جرعۂ عیش بھی نحوست معاصی کی وجہ سے زہر اور تلخ ہو جاتا ہے۔

دشمنوں کو عیشِ آب و گِل دیا
دوستوں کو اپنا دردِ دل دیا
اُن کو ساحل پر بھی طُغیانی ملی
مجھ کو طوفانوں میں بھی ساحل دیا

(آخر کے یہ دو شعر تقریباً بارہ سال بعد ۲۱ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ مطابق ۳ جنوری ۱۹۸۶ء، بروز جمعۃ المبارک، بعد نماز عصر ریل میں، سندھ حیدر آباد ہی کے دینی سفر کے دوران ارشاد فرمائے۔ لیکن چونکہ مندرجہ بالا مضمون کے مناسب تھے، اس لئے لکھ دیئے گئے۔ جامع)

اس رسالہ کو ابتداءً تا انتہا حرفاً حرفاً احقر نے پڑھ لیا ہے محمد اختر عفا اللہ عنہ

۲۶ جمادی الاول ۱۴۱۱ھ

—o—

چند اشعار عارفانہ

از حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

جان بازی عشق

جان دے دی میں نے انکے نام پر
عشق نے سوچا نہ کچھ انجام پر

o

انجامِ حُسنِ فانی

دوستو مرنا نہ ان گلفام پر
خاک ڈالو گے انہیں اجسام پر

○

فنائیت حُسن و عِشق

اُن کا چراغ حُسن بجھا یہ بھی بجھ گئے
بلبل ہے چشم نم گل افسردہ دیکھ کر

○

چہرہ کا جُغرافیہ بدلنے سے عشقِ فانی کا زَوال

اُدھر جغرافیہ بدلا اِدھر تاریخ بھی بدلی
نہ اُن کی ہسٹری باقی نہ میری ہسٹری باقی

○

نزُولِ سکینہ بَرقلبِ عَارف

میرے پینے کو دوستو! سُن لو
آسمانوں سے مے اُترتی ہے
اس میکدۂ غیب سے کیا جام ملا ہے
ہے دُور مجھ سے دوستو دُنیا کے تفکّر

○

عشقِ مجازی عذابِ الٰہی

ہتھوڑے دل پہ ہیں مغزِ دماغ میں کھونٹے
بتاؤ عشقِ مجازی کے مزے کیا لوٹے

ارشادات

حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا
اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

بدنگاہی کے نقصانات

فرمایا کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی نامحرم کو دیکھنے کا زیادہ تقاضا قلب میں ہو، اس کو ہم ایک دفعہ جی بھر کر دیکھ لیں تو تسکین ہو جائے گی، یہ محض غلط ہے وہ تسکین عارضی ہے۔

اس دیکھنے سے جوش کم نہیں ہوتا بلکہ دل کی گہرائی میں اتر جاتا ہے اس لئے محسوس نہیں ہوتا اور تسکین کا جو شبہ ہوتا ہے تو قصداً اس کا تصور کر کے مزہ لینا زہرِ قاتل، رہزنِ دین ہے۔

حدیث شریف میں ہے

اَلنَّظَرُ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْس

نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔

توبہ کا کمال

فرمایا کہ اگر ساری زمین گناہوں سے بھر جاوے تو توبہ سب کو مٹا دیتی ہے۔ دیکھئے بارُود ذرا سی ہوتی ہے مگر بڑے بڑے پہاڑوں کو اڑا دیتی ہے۔

❁

صُحبتِ اولیاء

فرمایا جو شخص بخشش کا طالب ہو اولیاء کرام کی صحبت میں بیٹھے۔ تمہارے اعمال میں ان کی صحبت سے برکت ہو گی۔ اہل اللہ کے دل روشن ہیں۔ پاس رہنے سے دل میں نُور آتا ہے۔ جب نور آتا ہے ظلمت و تاریکی بھاگ جاتی ہے، شبہ جاتا رہتا ہے۔ ان کا دیکھ لینا ہی کافی ہو جاتا ہے۔

❁

اتباعِ سنّت سے محبُوبیت کا راز

فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں خاص برکت کا راز یہ ہے کہ جو شخص آپ کی ہیئت (وضع) بناتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کو محبّت اور پیار آتا ہے کہ یہ میرے محبُوب کا ہم شکل ہے۔ پس یہ وصول کا سب سے اقرب طریق ہے (اللہ تک پہنچنے کا سب سے قریب راستہ ہے۔)

(کمالاتِ اشرفیہ)